ہمیں کس مقام پر لا کے کھڑا کر دیا گیا ہے؟

مولانا امین احسن صاحب اصلاحی

مولانا نے اپنی یہ تقریر لاہور کے جلسۂ عام میں ۲۴- جولائی ۱۹۵۰ء کو پیش فرمائی تھی۔ اسے نوٹس کی مدد سے مرتب کیا گیا ہے۔ لیکن مولانا کو نظرثانی فرمانے کا وقت نہیں ملا۔ الفاظ میں ممکن ہے کہ کچھ تصرّف ہو گیا ہو، لیکن مفہوم کو جوں کا توں پیش کیا گیا ہے اور کوشش کی گئی ہے کہ مولانا کے اپنے الفاظ اور اسلوب کو زیادہ سے زیادہ حد تک برقرار رکھا جائے۔

(ن-ص)

بعد حمد و ثنا فرمایا:

حاضرین و حاضرات! ایک طویل مدت کے بعد پہلی مرتبہ موقع مل رہا ہے کہ آپ کے سامنے میں کچھ اظہارِ خیال کروں۔ قدرتی طور پر اس پہلے موقع کے تقاضے کی وجہ سے بیشمار باتیں دماغ کے سامنے ہیں، اور ہر بات مطالبہ کر رہی ہے کہ اسے آپ تک پہنچایا جائے۔ ان بیشمار باتوں میں سے اس مختصر سی فرصت میں تھوڑی سی باتیں کہی جا سکتی ہیں۔ بظاہر میرے لئے یہ انتخاب کرنا بھی مشکل ہے کہ کیا باتیں کہی جائیں اور کونسی باتیں نظرانداز کی جائیں۔ ایسی صورت میں ممکن ہے کہ میرے بیان کے اندر آپ کو کچھ پریشانی اور بے ربطی محسوس ہو، لیکن طویل غیرحاضری کے بعد صورتِ حال کا یہ قدرتی تقاضا ہے۔

ایک معقول، سنجیدہ اور صحیح الدماغ آدمی کے لئے، صحیح اور معقول رویّہ یہ ہے کہ کفر و ایمان اور اسلام اور جاہلیت میں سے جس پر اس کا قلب مطمئن ہو جائے، اپنی زندگی کی رہنمائی کے لئے اسی کو اختیار کر لے، اور پھر پوری عزیمت، پورے استقلال اور پوری مردانہ جرأت کے ساتھ اپنے آپ کو اس کی رہنمائی میں دے دے۔ وہ جس چیز کو

بھی قبول کرے، اس کے جو جو کچھ تقاضے اور مطالبے اس کے سامنے آئیں، انھیں جان کی بازی کھیل کر بھی پورا کرے۔ اخلاقی جرأت رکھنے والے آدمی کے لئے اس کے سوا اور کوئی رویہ نہیں ہو سکتا۔

حق و باطل سے قطع نظر، یکسوئی خود ایک عظیم الشان طاقت ہے۔ دنیا میں اگر کسی مقصد کے حصول میں قابلِ ذکر کامیابی حاصل ہو سکتی ہے تو یکسوئی، استقلال اور عزیمت ہی کے ذریعے ہو سکتی ہے۔ آدمی اگر خدانخواستہ کفر کو بھی اختیار کرے، لیکن اس کفر کے مطالبے پورے کرنے کے لئے صحیح جرأت کا ثبوت دے، تو کفر اگرچہ کفر ہے اور خدا کو ناپسند ہے، لیکن استقلال و یکسوئی کے ساتھ اگر اسے اختیار کیا گیا ہو تو کفر بھی اس دنیا میں وہ سب کچھ دے سکتا ہے جو آج اس نے دنیا کی کافر قوموں کو دے رکھا ہے۔ لیکن اگر آپ آخری دین اسلام جیسی مبارک نعمت کو بھی اختیار کریں، مگر یکسوئی سے نہ کریں ——— تذبذب اور نفاق کے ساتھ اختیار کریں، پورے اعتماد کے ساتھ نہ کریں ——— تو اسلام جیسی نعمت کے ساتھ بھی نہ دنیا میں فائدہ ہو سکتا ہے، نہ آخرت میں! یہ طریقہ خسر الدنیا والآخرۃ کا طریقہ ہے۔ اس طریقے پر چلنے والے دنیا میں بھی ذلیل اور غیروں کے محکوم اذناب حاشیہ بردار ہوتے ہیں اور آخرت میں بھی ان کے لئے ذلت و نامرادی ہے۔

یہ شک اور عدم یکسوئی، یہ تذبذب اور بزدلی، اسے اگر آپ اسلامی اصطلاح میں سمجھنا چاہیں تو قرآن و حدیث میں اسے "نفاق" سے تعبیر کیا گیا ہے۔ آپ میں سے جو لوگ اسلامی اصطلاحات کی قدر و قیمت سے واقف ہیں وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ نفاق فرد میں پایا جائے یا جماعت میں، بدترین مہلک اور خطرناک بیماری ہے، لیکن یہ ان عام بیماریوں میں سے ہے جس میں ہر قوم کے بزدل افراد مبتلا ہوتے رہے ہیں۔

زندہ قوموں کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ جیسے وہ اپنے آپ کو سل اور دق کی بیماریوں سے بچانے کی کوشش کرتی ہیں، اسی طرح وہ نفاق، بزدلی اور عدم یکسوئی سے اپنے افراد کو بچانے کے لئے بڑی چوٹی کا زور لگاتی ہیں۔ وہ اپنی ساری تمدنی، سیاسی، اور تعلیمی طاقتوں کو اس بات پر مرتکز کر دیتی ہیں کہ بزدل افراد کے اندر سے نفاق کی بیماری کو اکھیڑ دیں۔ مجھے نہیں معلوم کہ دنیا کے پردے پر کوئی ایک قوم بھی ایسی مل سکتی ہے جو نفاق کو اپنا دین اور مسلک بنا کے چلی ہو، اسی کو وہ اپنی قومی پالیسی قرار دے اور اس کے سارے معاملات نفاق ہی کی رہنمائی میں انجام پائیں۔ میرا مطالعہ تاریخ مجھے یہی بتاتا ہے کہ ایسی کوئی قوم کبھی نہیں گزری۔ ہر زندہ قوم نے نفاق اور تذبذب پن کی

بیماری کو دور کرنے اور یکسوئی اور یک جہتی پیدا کرنے کے لئے اپنی پوری کوششیں وقف کی ہیں۔

لیکن میں بڑے دُکھ اور قلبی رنج کے ساتھ یہ بات کہنے پر مجبور ہوں کہ اس آسمان کے نیچے اگر کوئی ایسی قوم ہے جس کے لیڈروں نے قومی پالیسی کو نفاق پر چلانے کا فیصلہ کیا ہے تو یہ سن کر دلوں کو پارہ پارہ ہو جانا چاہیے کہ وہ ہماری ہی قوم ہے۔ یہ درد اور غم شاید میری طرح آپ کو بھی بے چین کر دے گا، لیکن ہم پوری مستعدی اور بے چینی کے ساتھ حالات کا جس طرح مطالعہ کر رہے ہیں وہ اسی کی شہادت دیتا ہے کہ اتنی بڑی ذلت اور اتنی بڑی مہلک بیماری کو ہمارے لیڈروں نے قومی پالیسی کی حیثیت سے اختیار کر لیا ہے۔ میں آج آپ کے سامنے یہی چیز واضح کرنے کے لئے کھڑا ہوا ہوں کہ آپ کے لیڈر آپ کے لئے کس چیز کو قومی پالیسی کی حیثیت سے سوچ رہے ہیں اور قوم کو کدھر ہانک کر لے جانا چاہتے ہیں۔

یہ واقعہ ہے کہ ہمارے لیڈروں نے ——— جنھیں آپ ہی نے لیڈر بنایا ہے ——— من حیث الجماعت ٹھنڈے دل سے یہ طے کیا ہے کہ وہ زبان سے تو اسلام اسلام پکارتے چلے جائیں اور جگہ جگہ تقریروں میں یہ کہتے پھریں کہ اسلام ہی میں تمام مصیبتوں سے نجات ہے اور دُنیا کی ساری مشکلات اسلام ہی سے حل ہوتی ہیں، پوری قوتِ بیان کے ساتھ بزرگ اسلاف کی مدح سرائی کریں، دُنیا میں قرآن کا جھنڈا اونچا کرنے کا اعلان کرتے پھریں، اور قوم کو بھی یہی بلاوا دیں کہ اے قوم آ اور اسلام کی علمبرداری کر ——— لیکن دوسری طرف اپنی قومی پالیسی اور سیاسی جدوجہد کا پورا زور اس مہم میں صرف کر دیں کہ قوم کو جاہلیت کی طرف، غیر اسلام کی طرف اور باطل کی طرف دھکیلا جائے۔

اس صورتِ حالات کا نتیجہ یہ ہے کہ پوری قوم ایک ایسے دوراہے پر کھڑی ہے جس کے ایک کنارے کچھ لوگ ہیں جو اسے اسلام کی طرف بلا رہے ہیں اور دوسری طرف اس قوم کے لیڈر ہیں جو اسلام کے نام سے اسے جاہلیت اور کفر کی طرف دھکیل دینا چاہتے ہیں۔ یہ جو کچھ ان حضرات نے شروع کیا ہے یہ ایک طرح کی اسلام بازی ہے۔ آپ کے لیڈروں کی کوشش یہ ہے کہ قوم پر اسلام کی دھونس جمائی جائے۔ چنانچہ ہر شخص اٹھ اٹھ کے اسلامی روایات کا حوالہ دیتا ہے، پورے جوش و خروش سے تاریخی واقعات یاد دلائے جا رہے ہیں اور پھر نہایت درجے کی بغفرزی اور غمگینی کے ساتھ اسلامی روایات کے تحفظ و بقا کا عہد کیا جاتا ہے، لیکن عملی پہلو کو اگر آپ دیکھیں تو

ہر معاملے میں ملک و ملت کو صریح جاہلیت کی طرف لے جایا جا رہا ہے۔ کیا اس سے زیادہ ذہنی انتشار پھیلانے والی کوئی اور صورت بھی ہو سکتی ہے کہ ایک طرف سے وہ اسلام کی دعوت سن کر ایک قدم بڑھاتی ہے تو دوسری طرف سے زبردستی اس کا اٹھا ہوا قدم کفر کی طرف دھکیل دیا جاتا ہے۔ جو قوم اس طرح سے ایک دوراہے پر تذبذب میں مبتلا کر دی گئی ہو اس مرحلے میں اگر اس پر کوئی نازک وقت آ گیا تو وہ آخر کس طرح خطرے کا مقابلہ کرے گی۔ ایک قوم جو کفر ہی پر یکسوئی سے قائم ہو وہ بہر حال بڑی سے بڑی آفت کا مقابلہ عزیمت کے ساتھ کر سکتی ہے۔ لیکن اگر اسلام کا نام لینے والوں کا حال یہ ہو کہ وہ ذہنی انتشار اور تذبذب میں مبتلا ہوں تو ان کا کسی خطرے سے عہدہ برآ ہونا مشتبہ ہے۔ یہ نہایت درجے افسوس کا مقام ہے کہ ہماری قوم کو اسی مقام پر لا کھڑا کر دیا گیا ہے۔

یہ صورتِ حالات جس میں آپ گھرے ہوئے ہیں، تقاضا کرتی ہے کہ آپ یکسو ہو کر سوچیں کہ کہاں کھڑے ہیں اور جانا کدھر ہے؟

اگر پوری صورتِ حالات کا ایمانداری کے ساتھ جائزہ لیا جائے اور دل کو غلط فہمیوں سے الگ کر کے سوچا جائے تو یہ بات ہر شخص کو معلوم ہے کہ پاکستان جو آپ کا محبوب ملک ہے، اس کے لئے مطالبہ جو اٹھا تھا اس کو کشمیر سے راس کماری تک ہمہ گیر مقبولیت کیسے حاصل ہوئی تھی اور اس کا رمز کیا تھا کہ پوری قوم مل جل کر اٹھ کھڑی ہوئی اور ایک ایک زبان سے پھر یہی صدا بلند ہونے لگی۔ اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ مسلمان قوم کو اس کے لیڈروں نے متواتر یقین دلایا تھا کہ ہم اپنے دین اور ایمان کو باقی نہیں رکھ سکتے جب تک کہ ایک آزاد خطۂ زمین ہمیں حاصل نہ ہو۔ اس آزاد خطۂ زمین کو ہم اس لئے حاصل کرنا چاہتے ہیں کہ اس میں قرآن کا بتایا ہوا اسلامی نظام قائم کریں۔ یہی وہ جادو تھا جس نے پوری قوم کو مطالبۂ پاکستان کے لئے جمع کر دیا، اور پھر اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہوا کہ یہ مطالبہ مانا گیا اور پاکستان وجود میں آ گیا۔

لیکن جب پاکستان بن گیا تو ہمارے لیڈروں کی نیتیں بدل گئیں۔ انھوں نے محسوس کیا کہ اب تک اسلام کا جو نام ہم لیتے رہے ہیں اور جو نعرے ہم لگاتے رہے ہیں وہ ہمارے لئے آفت بن جائیں گے۔ چنانچہ پاکستان بننے کے بعد اونچے اونچے درجے کے لیڈروں نے سیکولر اسٹیٹ کے قیام کا اظہار کرنا شروع کیا۔ لیکن قوم کے دل میں اسلام سے جو بہم سی محبت تھی اس کی وجہ سے وہ اس قسم کی چالوں کے ذریعے اپنے مقصد سے منحرف

ہونے والی نہیں تھی۔ اس طرح کے اعلانات پر صدائے احتجاج بلند ہوئی اور قوم نے دباؤ ڈال کر لیڈروں کو اپنا نظریہ بدلنے پر مجبور کر دیا۔

شروع شروع میں قوم کو منحرف کرنے کے لئے طرح طرح کے بہانے گھڑے گئے۔ مثلاً کبھی کہا گیا کہ پاکستان ایک نوزائیدہ سلطنت ہے، یہ ایک طفلِ شیر خوار ہے اور ابھی اس پر بوجھ ڈالنا مناسب نہیں۔ یہ مضبوط ہو لے تو پھر اسلامی نظام کا سوال چھیڑا جا سکتا ہے۔ کبھی کہا گیا کہ ملک کو نہ جانے کیا کیا سیاسی و معاشی الجھنیں درپیش ہیں اور ان کے حل ہونے سے پہلے اسلامی نظام کا مطالبہ ایک بے ہنگم چیز ہے۔ کبھی مہاجرین کے مسئلے کو عذر بنایا گیا، کبھی کشمیر کے مسئلے کی آڑ لی گئی اور کبھی پٹھانستان کے شوشے کو پیشِ نظر رکھ کے کہا گیا کہ ان خطرات کے ہوتے ہوئے نظامِ اسلامی کی لگنی بے وقت کی راگنی ہے۔

لیکن قوم ان باتوں سے مرعوب نہیں ہوئی بلکہ اپنے مطالبے پر ڈٹی رہی اور اس نے جواب میں صاف صاف کہا کہ ہم نے پہلے بھی کئی خطرات بھگت لئے ہیں، اور اب اگر کوئی اور خطرہ موجود ہے تو اس سے بھی نمٹ لیں گے آپ اسلامی نظام قائم تو کیجئے۔

پھر کہا گیا کہ اگر یہاں اسلامی نظام قائم کیا گیا تو ہندوستان جس میں کئی کروڑ مسلمان بستے ہیں، ان پر ہندو راج مسلط کر دیا جائے گا۔ لوگوں نے اسے بھی اہمیت نہیں دی بلکہ یہ کہا کہ جب ہم ایک مقصد کے لئے لاکھوں بھائی بہنوں کی جانوں اور ناموس کو قربان کر چکے ہیں تو اب کیا ان موہوم خطرات کی بنا پر اس سے دستبردار ہو جائیں۔

جب یہ افسوں بھی کارگر نہ ہوا تو دوسری نکتہ آفرینیاں شروع کی گئیں۔ کہا گیا کہ پہلے لائق بنو، پھر اسلامی نظام قائم کر کے دیا جا سکتا ہے (FIRST DESERVE, THEN DESIRE) ان حضرات کے اندازِ تقریر سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تو اپنی جگہ مثیلِ فاروقؓ اور نمونۂ صدیقِ اکبرؓ بن چکے ہیں اور اسلام جو کچھ چاہتا ہے اسے پورا کرنے کے لئے ان کی بیقراریوں اور پریشانیوں کی کوئی حد نہیں، لیکن ان کی اصل مشکل یہ ہے کہ قوم اسلامی نظام کے قابل نہیں۔ جس دن قوم اس لائق بن جائے گی اس دن اسلامی نظام بھی قائم ہو جائے گا۔

ان حضرات نے خود اپنی فاسقانہ زندگیوں کا جائزہ لے کر نہیں دیکھا کہ ہم اور ہمارے اہل و عیال دینِ حق سے کتنی دور ہیں۔ انگریزی تہذیب و تمدن کی پرستش میں کس حد تک مبتلا ہیں اور اسلامی روایات کو پامال کرنے میں

کتنے بیباک ہیں۔

دراصل ان کا کہنا یہ تھا کہ ہمارے سینما گھر تو یونہی رہیں گے، ہم بے پردگی کی تحریکیں یونہی چلاتے رہیں گے، ہمارے زیرِ اہتمام مردوں اور عورتوں کے مخلوط اجتماعات یونہی ہوتے رہیں گے اور ہم بلبل چوہدری کے رقص کی سرپرستی یونہی کرتے رہیں گے ـــــ لیکن قوم سے ان کا مطالبہ یہ تھا کہ تم جاؤ اور صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ کے نمونے بن کر دکھاؤ تو پھر اس کے بعد ہمارے پاس اسلامی نظام کا مطالبہ لے کر آنا۔

اس پر ہم نے کہا کہ حضرت! ہوش کے ناخن لیجئے۔ قوم میں اگر دس فی صدی خرابیاں ہیں تو آپ میں نوے فی صدی ہیں۔ آپ اپنی فکر کیجئے۔ قوم میں جو کچھ خرابیاں ہیں وہ نتیجہ ہیں جہالت کا، لیکن آپ تو جان بوجھ کر اپنے لئے اسلام سے انحراف کا راستہ پسند کر رہے ہیں۔ پھر قوم اپنی اصلاح کرنا چاہتی ہے، لیکن آپ اس پر مسلسل غلط پرتو ڈال رہے ہیں۔ براہ کرم اپنے آپ کو درست کیجئے۔

وہ نکتہ آفرینیاں کرتے رہے اور ہم جواب دیتے۔ بالآخر حق غالب آیا اور رائے عام نے دباؤ ڈال کر قرارداد مقاصد ان حضرات کے حلق سے اگلوا لی۔ یہ اقرار درحقیقت برضا و رغبت تھا، یہ ان سے اگلوایا گیا ہے۔ قوم نے تابڑ توڑ مطالبے کئے، وہ اپنی بات پر ڈٹ گئی اور اکابر کو مجبور کر کے کہا کہ قراردادِ مقاصد پاس کرو۔ یہ ان کی طرف سے بادلِ ناخواستہ مجبورانہ اقرار تھا، لیکن فی الواقع ہم یہی چاہتے تھے کہ یہ لیڈر لوگ درست ہو جائیں، اپنی اصلاح کریں، انہی کے ہاتھوں سے اسلامی نظام قائم ہو اور یہی آئندہ مرحلوں میں بھی قوم کی قیادت کریں۔ ہم نے اپنا فرض سمجھا کہ پورے شرحِ صدر اور پورے حسنِ ظن کے ساتھ ان کے اس اعلان کا خیر مقدم کریں۔ جس دن انھوں نے یہ کام کیا اس دن سے ہم نے ان کی مدح سرائیاں کیں، ان کی تعریف کے پل باندھے اور دل و جان سے ان کو مبارکباد دی۔ ملتان کے جیل خانے میں جب ہم کو اول اول یہ خبر ملی تو ہم نے یہی محسوس کیا کہ اس سے مبارک کوئی کام نہیں کہ قوم نے دستوریہ کی زبان سے کلمۂ لا الٰہ الا اللہ پڑھا۔ ہم نے پوری خوش گمانی کے ساتھ اس اعلان میں سے ڈھونڈھ ڈھونڈھ کے وہ معنی نکالے کہ جن سے ان کا حسنِ نیت ثابت ہو۔ اگرچہ بار بار ہمارے کانوں میں یہ بات ڈالی گئی کہ یہ اعلان منافقانہ ہے اور ایسے لوگوں نے قراردادِ مقاصد پاس کی ہے جن کی اپنی زندگیاں اس قرارداد کے صریحاً منافی ہیں، لیکن ہم نے کہا کہ کیا عجب جو خدا انہی سے یہ کام کرا لے۔ اگر ایسا ہو تو ہم سے

زیادہ خوش کون ہوگا۔ ہم ان کی رکابیں تھام کے چلیں گے اور ان کے احکام کی اس طرح تعمیل کریں گے جیسے شریعت اسلامی کی رو سے امیر المومنین کی کرنی چاہیے۔ ہم اپنی اطاعت کی باگیں دینِ حق کی حدود میں ان کے حوالے کر کے مطمئن ہوں گے۔

لیکن یہ ایک دردانگیز حقیقت ہے کہ قرارداد مقاصد پاس کرنے کے بعد بھی ان حضرات کی نیتیں نہیں بدلیں۔ کیا بعد کے واقعات نے یہ ثابت نہیں کر دیا کہ قرارداد مقاصد ان کے حلق سے زبردستی اگلوالی گئی تھی؟ اس قرارداد کا کوئی پرتو ان کی زندگیوں پر نہیں پڑا۔ بلکہ اسے پاس کرنے کے بعد پھر انھوں نے طرح طرح کے شگوفے چھوڑنے شروع کئے اور پہلی نکتہ آفرینیوں میں نئے نئے لطائف کے، سلسلے ہونے لگے۔

ایک نکتۂ بدیع ولطیف یہ پیش کیا گیا کہ اسلام تو متحرک ہے۔ ہم حیران تھے کہ اس اشارے کا مطلب کیا ہے؟ اول اول کچھ سمجھ میں نہیں آیا جب ان حضرات کی طرف سے اس کی تشریح کی گئی تو ہم حیران رہ گئے مبتدا کیا تھا اور خبر کیا نکلی ۔ معلوم ہوا کہ اسلام کے متحرک ہونے کے معنی یہ ہیں کہ یہ حضرات اپنی فاسقانہ زندگی میں جس کا ایک ایک شعبہ اسلام سے ہٹا ہوا ہے، جو جو حرکتیں کرتے ہیں اسلام ان کے پیچھے پیچھے چلتا ہے اور ان حرکتوں کے لئے سند جواز دیتا جاتا ہے۔ اگر یہ شراب پینے لگیں تو اسلام ان کے ساتھ جا کر عرض کرتا ہے کہ حضور مجھے آپ کی طرف سے ذرہ بھر بھی ملالِ خاطر گوارا نہیں، یہ تو میں نے ساڑھے تیرہ سو برس پہلے ایک مرتبہ کہہ دیا تھا کہ شراب حرام ہے، لیکن اب اگر آپ آگے بڑھ گئے ہیں تو ان پرانی باتوں پر دھیان دینے کی ضرورت نہیں۔ یہ اگر زنا کرنا چاہیں تو اسلام ہاتھ باندھے ہوئے ان سے درخواست کرتا ہے کہ حضور سوئے ظن میں مبتلا نہ ہوں، میں کوئی جامد ملا تھوڑی ہوں کہ اس روشن زمانے میں آپ سے کہوں کہ زنا حرام ہے۔ میں تو متحرک ہوں، جہاں آپ جائیں، ایک غلام کی طرح میں ساتھ ہوں۔ آپ شوق سے شغل فرمایئے۔

اسلام کو جب اس طرح متحرک بنا دیا گیا تو آپ کو معلوم ہے کہ بے پردگی کی تحریک کے لئے ان مفتیانِ دین نے جو جو فتوے دیئے اور جس جس طرح کے نکتے نکالے، ان سب کو کس طرح عینِ اسلام قرار دیا گیا۔

لیکن جب ان کو یہ اندازہ ہوا کہ اگرچہ اسلام کا متحرک ہونا ثابت کیا جا چکا ہے۔ تاہم قوم نے ہماری حرکتوں کو جائز تسلیم نہیں کیا تو پھر ان کے اندر سے نئے نئے جعفادری مفتی اور نکتہ آفریں فلسفی اٹھے اور انھوں نے کہنا شروع کیا کہ اسلامی نظام بڑی مبارک چیز ہے، لیکن جانتے ہو کہ اسلام کی تاریخ کا سب سے زیادہ مبارک دور کونسا ہے؟

——— وہ بنو امیہ کا دور ہے! اسی دور میں اسلام اپنے اصل عروج کو پہنچا۔ یہ وہ دور ہے جس کی روایات کو نمونہ بنانا چاہئے۔

آج تک تو ہم یہ جانتے تھے کہ بنو امیہ کا دور وہ دور ہے جس میں اسلام کی بنیادیں ہلا دی گئی تھیں۔ یہ بنو امیہ ہی کا دور تھا جس میں اسلامی حکومت اور فرمانروائی کے سارے اصول مٹ گئے۔

اب آپ سے کہا جاتا ہے کہ یہ ہے آپ کی اسلامی تہذیب کا زرین دور۔ یہ دعوے آپ کے اندر والوں نے بھرے مجموعوں میں کئے ہیں اور ان باتوں کے کہنے کے لئے باہر سے بڑے بڑے جغادری مرشد درآمد (IMPORT) کئے گئے ہیں تاکہ وہ قوم کے سامنے اسلامی تہذیب کے وعظ ارشاد فرمائیں۔

بنی امیہ کا دور جس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت کی، اور جسے "ملکِ عضوض" کے لفظ سے تعبیر کیا جس میں حجاج اور ابن ہبیرہ جیسے درندے اقتدار پر آئے اور انھوں نے خاندانِ رسالت کے خیمے اکھیڑ کر ہوا میں اڑا دیئے اور خلافتِ راشدہ کی مقدس تاریخ کے ایک ایک نشان کو مٹا دیا، اس دور کے متعلق ہمیں آج یہ سکھایا جاتا ہے کہ تاریخ اسلام کا روشن زرین دور کوئی ہو سکتا ہے تو یہی ہے۔ کیونکہ ان کی نگاہ میں اسی دور میں اسلام کی بنیادیں مضبوطی اور وسعت کے ساتھ رکھی گئی تھیں اور مسلمانوں کو یہ مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ اپنی ریسرچ اکاڈمیوں کو ہدایت کریں کہ وہ دستور متعین کرنے کے لئے اپنی ساری توجہات اسی دور پر مرتکز کریں۔

یہ ایک دوسری چال تھی، لیکن ظاہر ہے کہ ہماری مسلمان قوم کتنی ہی جاہل اور دین سے نابلد کیوں نہ ہو ——— ہمارے اکابر کے سوا ——— سب لوگ اس حقیقت کو جانتے ہیں کہ یہ دور وہ ہے جس نے اسلامی نظام کے سارے مبارک نقوش مٹا ڈالے۔

چنانچہ جب یہ افسوں بھی نہ چلا تو بعض حلقوں سے یہ نکتہ اچھالا گیا کہ اسلام میں تو قانون کے ماخذوں میں سے ایک اہم ماخذ اجماع ہے جو قانون سازی کا بنیادی اصول ہے۔ مسلمان قوم کے منتخب نمائندے جس بات پر اتفاق رائے کر لیں ——— چاہے وہ پورے قرآن کو منسوخ کر دیں اور پورے دفترِ حدیث پر قلم پھیر دیں ———

وہ فیصلہ بہرحال شرعی قانون ہے۔ یہ اس درجے کی جرأت ہے کہ ایسی جرأت ابلیس بھی نہیں کر سکتا۔ لیکن الحمدللہ کہ اس زمین میں ایمان کا نمک کچھ نہ کچھ موجود ہے جس کی وجہ سے یہ فتنہ جڑ نہیں پکڑ سکا۔

اس کے بعد جب یہ لوگ بے بس ہو گئے تو پھر انھوں نے یہ کہنا شروع کیا کہ گھبرائیے نہیں، اسلامی نظام تو قائم ہو گا ہی، مگر کچھ خبر بھی ہے کہ اسلامی نظام اور امریکہ و برطانیہ کی جمہوریت میں کوئی فرق نہیں ہے۔ چنانچہ آپ کی دستوریہ کے اکابر اٹھے اور انھوں نے امریکہ اور برطانیہ کی طرف جھانکنا شروع کیا اور تحقیق ہونے لگی کہ یہ نظام اسلام سے قریب تر ہے یا وہ نظام۔ اسلامی دستور بنانے کے لئے ان کی نگاہیں قرآن و حدیث کی طرف نہیں اٹھیں، خدا کے گھر کی طرف ان کا منہ نہیں مڑا۔ اسلامی تاریخ کی روایات کی طرف توجہ نہیں ہوئی، بس لے دے کے اسلامی دستور کا سرچشمہ کوئی نظر آیا تو صرف ایک انگلستان اور امریکہ نظر آیا۔

پھر آپ کی دستوریہ کے سیکرٹری صاحب نے اسلامی دستور پر جو مقالہ لکھا ہے وہ بجائے خود ایک شاہکار ہے۔ میں نے اسے خود پڑھا ہے، اور بغیر کسی شائبۂ بدگمانی کے کہنا چاہتا ہوں کہ کوئی کٹر سے کٹر اور جاہل سے جاہل مستشرق بھی ان خیالات کا اظہار نہیں کر سکتا جس قسم کے بھانڈانہ خیالات کا اظہار اس مقالے میں کیا گیا ہے۔ آپ کے یہ سیکرٹری صاحب یہاں تک کہہ گزرے ہیں کہ ایک فرد واحد کی زندگی اس کے لئے کافی نہیں ہے کہ اسے ہمیشہ کے لئے ماخذِ قانون بنا لیا جائے۔ میں کہتا ہوں کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کھلی ہوئی توہین ہے اور ایسا کہنا سراسر جہالت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی اور آپ کی ایک ایک چیز ہمارے لئے ہدایت اور قانون ہے۔ قوم کا یہی عقیدہ اور یہی ایمان تھا جس نے اس فتنے کو بھی سر اٹھانے ہی ناکام کر دیا۔

اب انھوں نے آخری حربہ یہ نکالا ہے کہ قوم کو دھوکا دینے کے لئے چند تنخواہ دار مولوی مقرر کر لئے ہیں اور ان کے سپرد یہ کام کیا ہے کہ آپ حضرات جس مسئلہ میں ہم چاہیں اس کے متعلق مشورے دیتے رہیں لیکن ان مشوروں میں سے جس قدر ہماری مرضی ہو گی ہم قبول کریں گے اور جن کو اور جس قدر ہم چاہیں گے رد کر دیں گے۔ مجھے سخت افسوس ہے کہ ہمارے بعض بزرگ لوگ تک اس دھوکے میں آ گئے ہیں اور انھوں نے اس کمتر نیت کے ساتھ اسلام کی ترجمانی کا کام اپنے ذمے لے لیا۔

واقعہ یہ ہے کہ کوئی معمولی ڈاکٹر یا حکیم بھی اس بات کے لئے رضامند نہیں ہو سکتا کہ وہ کسی مریض کا اس شرط پر علاج

کرے کہ قبلہ مریض صاحب آپ میری جس دوا کو چاہیں اور جس طرح چاہیں استعمال کریں اور جو کو چاہیں میرے منہ پر دے ماریں اور نسخہ پھاڑ کر پھینک دیں میں کہتا ہوں کہ کوئی ڈاکٹر یا حکیم تو درکنار کوئی گھٹیا سے گھٹیا عطائی بھی اس ذلت کو گوارا نہیں کر سکتا لیکن یہ بہرحال ایک واقعہ ہے کہ ہمارے بعض بزرگوں نے اسی پوزیشن کو اپنے لئے پسند کر لیا ہے کہ وہ ان حضرات کو اسلام کی روشنی میں مشورے عرض کرتے رہیں گے اور اس "کمتر بینی" کے ساتھ عرض کرتے رہیں گے کہ "حضور والا مرضیٔ مبارک ہو تو ان نمک خواروں کے ناچیز مشوروں پر غور فرما لیجئے اور اگر وہ مرضیٔ معلّٰی کے موافق نہ ہوں تو رد کر دیجئے یا حسبِ منشا ان میں ترمیم فرما لیجئے۔

میں پوری صفائی کے ساتھ اس بات کو کہہ دینا چاہتا ہوں کہ یہ ایک بہت بڑا دھوکا ہے۔ یہ لوگ آخر میں قوم سے کہیں گے کہ لیجئے ہم نے اسلامی نظام کے ماہرین سے مشوروں کے بعد یہ دستور بنایا ہے لیکن اللہ نے چاہا تو ہم ان کے اس دھوکے کو نہیں چلنے دیں گے اور اپنی قوم کو ہر قدم اور ہر مرحلے پر اصل صورتِ حال سے مطلع رکھنے کی پوری کوشش کریں گے۔

اب آپ اچھی طرح جائزہ لیجئے کہ آپ کو کس جگہ لا کے کھڑا کر دیا گیا ہے؟ آپ جہاں آزادی سے پہلے تھے اس سے آگے بڑھے ہیں یا پیچھے ہٹے ہیں؟ ——— اگر آپ اس سوال کے جواب میں میرے تبصرے کو قبول فرمائیں تو میں آپ کی خدمت میں بلا مبالغہ یہ عرض کروں گا کہ آپ آزادی سے پہلے جس مقام پر تھے اس سے آپ نے ترقیٔ معکوس کی ہے۔ آپ کا جو قدم بھی اٹھا ہے وہ قومی خودداری اور اسلامی روایات کے بالکل مخالف سمت میں اٹھا ہے، اور اس سے دین مبارک بھی مجروح ہوا ہے اور قومی خودداری کو بھی نقصان پہنچا ہے، آپ کی سیاسی، معاشرتی، سماجی اور مذہبی زندگی کو اس دوران میں بڑے بڑے چرکے لگے ہیں۔ زندگی کے ان سارے پہلوؤں میں عظیم الشان رخنے پیدا ہو گئے ہیں اور ہمارے مقاصد پر خوفناک زد پڑی ہے۔ آئیے اور پوری سنجیدگی سے حالات کا جائزہ لیجئے۔

اولاً آپ اپنی سیاسی زندگی کو لیجئے۔ اس کے دو حصے ہیں: داخلی اور خارجی۔

اگر آپ اپنی داخلی سیاست پر غور کریں گے تو میری اس رائے سے اتفاق کریں گے کہ یہ ٹھیک ٹھیک لفظوں میں سابق حکمرانوں کی نہایت درجہ بھونڈی نقالی پر مبنی ہے ——— میں اس موقع پر لفظ "بھونڈی" کو خوب سوچ سمجھ کر اور پورا زور دے کر استعمال کر رہا ہوں ——— ہمارے "دیسی صاحبوں" نے "ولایتی

صاحبوں" کی نقل اتارنے کی کوشش کی ہے اور فی الواقع نہایت بھونڈی کوشش کی ہے۔

ایک اسلامی نظام، بلکہ اس سے بھی نیچے ایک قومی (NATIONAL) نظام کے اندر قوم کے لیڈر کا طریق کار یہ ہوتا ہے کہ وہ خدمتِ خلق کے ذریعے اپنا رعب قائم کرے۔ لوگوں کی مشکلات اور دشواریوں کا حل ڈھونڈے، لوگوں کے مطالبات کو پورا کرے اور ان کے قومی جذبات کے تقاضوں کا احترام کرے۔ یہ وہ صحیح راستہ ہوتا ہے جس سے آزاد قوموں کے لیڈر پبلک کے دلوں میں گھسا کرتے ہیں۔ اگر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ پر قوم جان دیتی تھی تو اس کا اصل راز یہی تھا۔ لیکن انگریز چونکہ "غیر" تھا اسے ہم پر رعب جمانے کے لئے ٹھاٹھ باٹھ کی ضرورت ہوتی تھی۔ اسے "ہٹو بچو" کا اہتمام کرنا پڑتا تھا، وہ مسلح باڈی گارڈز کا محتاج تھا ــــ تاکہ وہ جدھر نکلے، زمین کانپ اٹھے اور آسمان دہل جائے۔ بیرونی "بیوروکریسی" کیلئے ممکن العمل طریق کار یہی تھا۔

اب آپ سوچئے کہ کیا آپ کے موجودہ فرمانرواؤں کے سوا کوئی اور تدبیر ایجاد کر سکے؟ وہی کروفر، وہی ہٹو بچو، وہی ٹھاٹھ باٹھ آپ کے حکام عالی مقام نے اختیار کر رکھے ہیں، ان میں یک سرِ مو فرق نہیں آیا۔ کیا ایک اسلامی حکومت کے حکام کو یہی کرنا چاہئے؟ ہمارے ان حکام عالی مقام کی کئی گزری ہوئی پشتوں تک دیکھا جائے، انگریز نے قومی روایات کے تقاضے ان کے اندر سے کھرچ کر نکال دیئے ہیں۔ یہ ایک بیرونی طاقت کا طریقہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے استبداد کو مسلط کرنے کے لئے عوام کے سروں کو توڑے اور پورے فسطائی اور نازی ہتھکنڈے اور پوری شیطانی قوتیں استعمال کر کے رائے عام کو دبائے۔ اسی طریقے کو ہمارے لیڈروں نے پسند کیا ہے۔

اس کی ایک نمایاں مثال آپ کا سیفٹی ایکٹ ہے۔ یہ ایکٹ اس لئے بنایا گیا تھا کہ غیر ملکی اقتدار نے محسوس کیا کہ اس کے قائم رہنے کے لئے قانون و عدالت کا نظام کافی نہیں ہے بلکہ ناگزیر ہے کہ رائے عام کو جبر سے دبایا جائے۔ پھر کیا انگریز کے جانے کے بعد ہمارے لیڈروں نے رائے عام کی حوصلہ افزائی کے لئے کچھ بھی اقدام کیا؟ کیا آزادیٔ رائے کے کسی ایک دریچے کو بھی کھولا؟ انگریز کا کوئی ایک قانون بھی بدلا اور کوئی ایک طریقہ بھی منسوخ کیا؟ جتنی تلواریں سابق حکومت نے بنائی تھیں کیا ان میں سے کوئی ایک بھی کند ہوئی؟ کیا ان میں سے جو ہتھیار زنگ آلود ہو گئے تھے ان کو پورے اہتمام سے سان پر رکھ کر از سرِ نو

تیز نہیں کیا گیا؟ ـــــــ انھوں نے سیفٹی ایکٹ کو منسوخ کرنے کے بجائے اُلٹا اس پر سیفٹی آرڈی ننس کا اضافہ کیا، اور پھر ان ظالمانہ قوانین کے کمزور پہلوؤں کو نت نئی ترمیموں سے مضبوط تر کیا، تاکہ انسانی آزادی کا قتلِ عام خوب اچھی طرح کیا جا سکے۔

پھر کیا اس گورنمنٹ کے لئے کہ جو گورنمنٹ صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ کے نقشِ قدم پر چلنے کی دعویدار ہو اور اسلامی نظام قائم کرنے کی علمبردار بنے، صحیح روش یہی ہے؟

سابق حکومت نے معاشی و معاشرتی اونچ نیچ کا بہت ہی مکروہ نظام اپنے ترکے میں چھوڑا ہے، ہمارے حکمرانوں نے اسے ایک مقدس ورثے کی حیثیت سے جوں کا توں قبول کر لیا ہے، بلکہ اس مکروہ نظام کی ہر چیز کو اور زیادہ پالش کر کے نمایاں کیا جا رہا ہے۔ ان حضرات کو خبر ہی نہیں کہ وقت کے تقاضے کیا ہیں اور کمیونزم ملک کے دروازوں پر دستک دے رہا ہے۔ "اسلام، اسلام" پکارا تو بہت جا رہا ہے لیکن ان کو یہ سرے سے معلوم نہیں کہ وہ ہوتا کیا ہے۔

اس صورتِ حالات کا نتیجہ یہ ہے کہ ایک طرف ریاستی اقتدار، رئیسوں کی حکومت اور ولی عہدی کے نظام کی ہر جگہ حمایت و سرپرستی کی جا رہی ہے، اور دوسری طرف معاشرتی اونچ نیچ بدستور ہے، زندگی میں وہی ناقابلِ برداشت تفاوت موجود ہے، اور اس طرح کمیونزم کو دعوت دی جا رہی ہے کہ وہ آئے اور سارے نظامِ تمدن کو تہ و بالا کر دے۔

کیا آپ کو معلوم ہے کہ ان کارگزاریوں کے ساتھ اپنے اقتدار کو قائم رکھنے کے لئے کس چیز پر اعتماد کیا جا رہا ہے؟ ـــــــ ان کے سامنے صرف ایک اصول ہے، اور وہ یہ ہے کہ پبلک کا حافظہ کمزور ہوتا ہے، انھیں یقین ہے کہ اگر کوئی آواز ان کے خلاف اٹھے گی تو وہ کچھ دیر فضا میں گونج کر آہستہ آہستہ خود بخود ختم ہو جائے گی، اخبارات شور مچائیں گے، لیکن وہ بھی ٹائیں ٹائیں فش کر کے رہ جائیں گے۔ آپ کے وزیر اعظم کو پورا پورا اعتماد ہے کہ وہ کچھ کر ڈالیں، اُن کے خلاف کوئی صدائے احتجاج نہیں اٹھ سکتی۔

کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ آپ کی داخلی سیاست اس طرز پر چل رہی ہے؟

اب بیرونی سیاست کو لیجئے۔

ابھی کچھ زیادہ دیر نہیں گزری کہ آپ نے من حیث القوم خدا تعالیٰ کی فرمانروائی اور ہر دوسری طاقت سے قوم کی آزادی کا اعلان بڑے طنطنے کے ساتھ کیا ہے۔ لیکن آپ ابھی تک کامن ویلتھ کے بندھن میں بندھے ہوئے ہیں اور تاجِ برطانیہ کے اسی طرح وفادار ہیں جس طرح کامن ویلتھ سے تعلق رکھنے والے دوسرے ممالک۔ آج بھی آپ کا نشانِ عزت ملکِ معظم کا دجود ہے۔ تاجِ برطانیہ کی وفاداری میں شاید خود اُس تاج کے پرستارانِ اول اتنے مخلص نہ ہوں جتنے یہ ہمارے حکمران مخلص ہیں۔ کیا خدا کی بادشاہت کے اعلان کے یہی معنیٰ ہیں اور کیا یہی کچھ ہے آپ کی آزادی؟

بیرونی دنیا میں آپ کی حیثیت اس سے زاید کچھ نہیں ہے کہ آپ اینگلو امریکن بلاک کے حاشیہ بردار ہیں۔ اُدھر سے شہنشاہی اغراض کے تحت کوئی پالیسی طے ہوتی ہے اور اِدھر سے ہمارے لیڈر صاحبان ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ پاکستان امن قائم کرنے کی کوششوں میں پورا پورا حصہ لے گا۔ وہی بات کہ "بلبل ہمیں کہ قافیہ گُل شود بس است"۔

جو کچھ وہاں سے اشارہ ہوتا ہے اس پر بلا چون وچرا "آمنا وصدقنا" کا اقرار کیا جاتا ہے، سوچنا اُن کا کام ہے، عمل کرنا اِن کا کام ہے۔ جس سے اُن کی جنگ اُس سے اِن کی جنگ، جس سے اُن کی صلح اُس سے اِن کی صلح۔ امریکہ اور برطانیہ ہی تو ہمارے وہ سرچشمے (SOURCES) ہیں جن سے الہام نازل ہوتا ہے، جن سے اسلحہ آتا ہے اور جن سے سرمایہ ملتا ہے۔ وہ تمام اقتصادی اور سیاسی بندھن جو اہلِ مغرب نے اسلامی اور ایشیائی ملکوں کے لئے تیار کئے ہیں، وہ پاکستان پر انھیں زبردستی نہیں لاد رہے، بلکہ یہ ہمارے اپنے آقایانِ کرام ان کو بلا بلا کے اس بات کی دعوت دیتے ہیں کہ یہ بیڑیاں ہمیں پہنا جاؤ۔

امریکہ نے کوریا میں نہایت بھونڈی اغراض کے لئے جنگ کرنے کا اعلان کیا تو یہ حضرات بھی پوری شانِ وفاداری کے ساتھ آگے بڑھے اور انھوں نے بھی کہا کہ پاکستان ہمہ تن آپ کے ساتھ ہے یعنی ہم بھی پانچوں سواروں میں شامل ہیں۔

اب ذرا ہندوستان کے مسئلے کو لیجئے۔ ہم یہ ضروری سمجھتے ہیں کہ ہندوستان کے ساتھ پاکستان کے تعلقات اچھے سے اچھے ہوں۔ ہندوستان کے مسلمانوں کے مفاد کے لئے بھی اور خود اپنے ملک کی بھلائی کے لئے بھی ہم سے

(بقیہ بر صفحہ ۲۸۲)

زیادہ کون اس بات کو چاہے گا کہ دونوں ہمسایہ مملکتوں میں مضبوط دوستانہ روابط قائم ہوں۔ لیکن اس کے باوجود ہم نے کبھی پسند نہیں کیا کہ کسی ملک سے ہمارے دوستانہ یا مخالفانہ تعلقات کی بنیاد اینگلو امریکن بلاک کے اشارے پر ہو۔ ہمیں یہ سب کچھ اپنے نقطۂ نظر کے تحت کرنا چاہیئے اور ان معاملات میں ملک اور قوم کے اقتصادی مصالح اور دین کے مطالبات و مقتضیات ہمارے پیشِ نظر رہنے چاہئیں۔ ہم چاہے کسی ملک سے دوستی کے کتنے ہی خواہشمند ہوں، لیکن ہمیں صرف وہی کچھ کرنا چاہیئے جو ہماری قومی رواداری اور اسلام کے اشاروں کے مطابق ہو، اپنا راستہ دیکھنے کے لئے اگر اپنی آنکھیں بے نور ہو جائیں تو پھر وہی حالت ہوتی ہے کہ من لم یجعل اللہ لہ نوراً فما لہ من نور۔ ایسے لوگ جن کا تکیہ دوسروں کی آنکھوں اور دوسروں کی روشنی پر ہو وہ ہمیشہ بھٹکتے پھرتے ہیں۔

ابھی ابھی ہندوستان اور پاکستان میں دوستانہ تعلقات کا جو معاہدہ ہوا ہے بطور مثال اسی کو لیجئے۔ اس مبارک سے مبارک اقدام کے متعدد پہلو خطرناک ہیں۔ اس معاہدے میں بلا وجہ اسلامی نظام کے تصور پر ضرب لگائی گئی ہے۔ ہمارے وزیر اعظم نے اس معاہدے میں پنڈت نہرو کے سامنے یہ وضاحت کر دی ہے کہ بابا! ہماری اور تمہاری جمہوریت میں فرق کیا ہے اور موجودہ دور میں مغربی جمہوریت کے سوا اور کس نمونے پر حکومت چلائی جا سکتی ہے۔ ظاہر بات ہے کہ جن دونوں قوموں کے اکابر کی شکل و شباہت میں، طور طریق میں، زندگیوں کے نقشے میں اور معاشرتی رجحانات میں کوئی اصولی فرق نہ ہو ان کے لئے باہم اس قسم کی باتوں کا باور کرانا کیا مشکل ہے۔ چنانچہ کہا گیا کہ چند سرپھرے کٹھ ملاؤں کی باتوں کو کیوں پکڑتے ہو، یہ کوئی ساری قوم کی آواز تو ہے نہیں، کچھ لوگ شور مچا رہے ہیں، انھیں شور مچانے دو۔

یہ جانتے ہیں کہ اسلامی نظام کا مطالبہ ایک زندہ حقیقت ہے اور اب قوم کو اس سے منحرف نہیں کیا جا سکتا۔ اس حقیقت کو نظر انداز کرنا اب بڑا مشکل کام ہے۔ لیکن پھر بھی ہندوستان اور امریکہ میں جا کر اس طرح کی باتیں کی جاتی ہیں۔ ان حضرات کے نزدیک قربان کرنے کی سب سے ارزاں چیز اسلام ہے اور یہی اس کی قربانی دینے میں بڑے فیاض واقع ہوئے ہیں۔

پھر آپ مسئلہ کشمیر کو لیجئے۔ اس معاملے میں ہنوز روزِ اول کی کیفیت ہے۔ یہ تو مصلحت کے خلاف ہوگا کہ اس سلسلے میں کوئی پیشگوئی کی جائے۔ لیکن جس طریقے اور جس رفتار سے یہ مسئلہ حل کیا جا رہا ہے اس کے پیشِ نظر

بدگمانی کے کافی وجوہ موجود ہیں کہ شاید ساری قوم کو دھوکے میں رکھا جا رہا ہے۔ آخر اس بات کے یقین کرنے کے لئے کونسی بنیاد ہے کہ کشمیر کے معاملے میں وہی ہوگا جس کا مطالبہ قوم کی طرف سے کیا جا رہا ہے۔ آپ کا فرض ہے کہ حالات کا مسلسل جائزہ لیتے رہیں اور جو کچھ ہو رہا ہے اس کی نگرانی کریں۔

پھر یہ پاکستان جسے بیش بہا قربانیوں کے بعد آپ نے حاصل کیا ہے، اس کی آزادی اور اس کی جداگانہ حیثیت کو ختم کرنے کے لئے آج یہ تجویزیں آنے لگی ہیں کہ انڈیا اور پاکستان دونوں ملکوں کا دفاع (DEFENCE) مشترک ہو جانا چاہیئے۔ آپ کی قومی آزادی کے حق میں خطرناک سے خطرناک نتیجہ اگر کسی تجویز کا ہو سکتا ہے تو وہ یہ تجویز ہے۔ ابھی یہ تجویز بظاہر صرف مشہور برطانوی فوجی جنرل سلم کی طرف سے آئی ہے، لیکن کیا آپ انکار کر سکتے ہیں کہ یہ اینگلو امریکن بلاک کی تجویز نہیں ہے اور یہ اسی کے ایما سے نہیں لائی گئی؟ ہمارے وہ بزرگ جو یو، این، او کا لہنگا دنیا بھر میں اٹھائے اٹھائے پھرتے ہیں کہ اس طرح پاکستان کو عزت و عظمت کا مقام حاصل ہوگا، کچھ ارشاد فرمائیں گے کہ آیا آپ کا مطلوبہ مقام یہی ہے جہاں جائنٹ ڈیفینس کی تجویزیں سامنے لائی جا رہی ہیں؟

ابھی آپ دیکھتے رہیئے، ابھی معاملہ صرف تجویزوں تک محدود ہے، اس کے بعد اس کی مصلحتیں سمجھائی جائیں گی، اخبارات میں ان مصلحتوں کے چرچے ہوں گے، یہاں تک کہ عوام کو یقین دلا دیا جائے گا کہ حالات ایسے ہیں کہ جائنٹ ڈیفینس کی تجویز کو اختیار کئے بغیر کوئی چارہ ہی نہیں ——— اور عوام اپنے آپ کو بے بس پا کر سر تسلیم خم کر دیں گے۔ لیکن میں آپ پر واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ یہ آپ کی قومی آزادی اور آپ کے اسلامی نظام کے تصور کی قطعی موت ہوگی۔ اگر آپ نے اس مفسدانہ تجویز کو پنپنے کا کچھ بھی موقع دیا تو پھر مجھے بتایئے کہ آپ ان لاکھوں شہداء کو کیا جواب دیں گے جنھوں نے قوم کی آزادی اور زمین کے استقلال کے لئے قربانیاں دی تھیں!

اب میں مختصر طور پر یہ چاہتا ہوں کہ آپ سماجی اور معاشرتی نقطۂ نظر سے اپنی ترقیوں کا جائزہ لیں کہ ان میں سے کونسی ترقیاں اسلام کی سمت میں ہوئی ہیں اور کتنی ترقیاں جاہلیت کی سمت میں ہوئی ہیں۔

اس بارے میں میرا مطالعہ یہ ہے کہ جس کام کو کرنے کی انگریز جرأت نہیں کر سکا اور وہ قوم کے مذہبی جذبات

وحیات سے ہمیشہ خوفزدہ رہا، اسے ہمارے لیڈر حضرات دن دہاڑے پوری جرأت سے کر رہے ہیں۔ اور اسے ثقافتِ اسلامی، تمدنِ اسلامی، اور نظامِ اسلامی کے احیا و تجدید کا نام دے رہے ہیں۔ انگریز ہمارے اندر بے پردگی اور عورتوں مردوں کے بے باکانہ اختلاط کی وبا کو پھیلانا چاہتا تھا لیکن ڈیڑھ دو سو سال کی جدوجہد کے باوجود تھوڑے سے لوگوں کے سوا باقی قوم کو بگاڑنے میں وہ کامیاب نہ ہو سکا۔ جن چند خاندانوں کی عورتوں کو اس نے بگاڑنے میں کامیابی حاصل کی، ان خاندانوں کو جاہ و منصب سے نوازے جانے کے باوجود معززین کی نگاہوں میں وقعت حاصل نہ ہو سکی۔ بلکہ وہ سوسائٹی میں ننگ بن کر رہے اور ان کی عورتوں کو شریف بہو بیٹیوں نے اپنے لئے ایسا ہی نامحرم سمجھا جیسے کوئی اجنبی مرد نامحرم ہوتا ہے۔ انگریزی حکومت بڑے ہتھکنڈے کے باوجود یہ نہ کر سکی کہ کسی شمس العلماء قسم کے مولوی ہی کی زبان سے یہ کہلوا دے کہ صحابیات کی زندگیاں ایسی ہی بے پردہ تھیں۔ لیکن یہ کام قرارداد مقاصد کے بعد ہماری اپنی حکومت نے کر دکھایا۔ اب سرکاری سرپرستی میں قوم کی بہو بیٹیوں کو یہ تربیت دی جا رہی ہے کہ وہ ٹپیکل امریکن گرل کے سانچے میں اپنے آپ کو ڈھالیں اور مغربی طرز کی چھوکریاں بن کے رہیں۔ وہ قوم جو ہمیشہ عائشہؓ اور خدیجہؓ کی سیرتوں پر فخر کرتی رہی ہے آج اسی کی لیڈر خواتین مسز ٹروین کو اپنے لئے مثال اور نمونہ قرار دیتی ہیں اور AMERICAN TYPICAL GIRL بننے کے لئے بے چین ہیں۔ ابھی پچھلے سال ان لیڈر خواتین نے سرکاری سرپرستی کے تحت عین گورنمنٹ ہاؤس میں آل پاکستان ویمن کانفرنس کے جس ادارے کا افتتاح کیا تھا اس کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ عورتوں میں بے پردگی اور بے حیائی پھیلے۔ حکومت جو اسلامی نظام کی داعی ہے اس نے ان خواتین کو گارنٹی دی ہے کہ عورتوں کے جتنے معاملات و مسائل درپیش ہوں ان میں اس مبارک جماعت سے فتویٰ حاصل کیا جائے گا کہ وہ کس طرح کا نظامِ زندگی عورتوں کے لئے چاہتی ہے۔

جو نقطۂ نظر اس کانفرنس کا ہے اس کے بارے میں تفصیل سے کچھ کہنے کا موقع نہیں، البتہ خود سرکاری رپورٹ (PAKISTAN 2ND YEAR) کے مطابق اس کا جو مطمحِ نظر ایک صاحبہ کی تقریر میں واضح کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ مغلوں کے زمانے میں ہماری لڑکیوں کے لئے گانا بجانا ایک ضروری تہذیبی عنصر کی حیثیت رکھتا تھا لیکن یہ مقام افسوس ہے کہ اب گانے بجانے کا رواج کم ہو گیا ہے اور انتہائی ماتم کا مقام یہ ہے کہ ہلکے فلمی گانوں سے

کچھ دلچسپی ہے بھی تو تپے گانوں کی معرفت۔ بہرحال خواتین میں نہیں رہی ہے۔ ان بے چاری کو یہ غم کھائے جا رہا ہے کہ اس معاملے میں عورتیں بالکل زیرو ہوگئی ہیں۔ اب یہ کانفرنس اس کمی کو پورا کرنے کے لئے میدان میں آئی ہے۔ یہ کانفرنس عقلوں کی اسلامی تہذیب اور اسلامی رقص و سرود کو جب تک داگ کے اس پار سے اٹھا کر ادھر نہ لے آئے چین سے نہ بیٹھے گی۔

کچھ اور مفتی ہیں جن کی طرف سے خواتین کو یہ سبق پڑھایا جا رہا ہے کہ یہ کہاں تم عائشہ بنت صدیقؓ اور فاطمہ بنت محمدؐ کے چکر میں پڑی ہوئی ہو، تمہارے لئے تو اسوۂ حسنہ عائشہ بنت طلحہ اور سکینہ بنت حسین ہیں۔ یہ بتایا جاتا ہے کہ یہ عائشہ بنت طلحہ وہ ہیں جو سوسائٹی میں پوری شان سے بے پردگی کے ساتھ گھوما کرتی تھیں اور اس پر استدلال یہ کرتی تھیں کہ خدا نے جب مجھے حسن و جمال دیا ہے تو میں پھر اپنا چہرہ کیوں ڈھانپوں؟ حسن و جمال تو اسی لئے ہوتا ہے کہ دیکھا اور دکھایا جائے۔ اور یہ سکینہ بنت حسین وہ ہیں جن کے جوڑے کا فیشن تمام مدینے میں مشہور تھا اور جو اپنے ارد گرد بھانڈوں اور گویوں کو جمع رکھتی تھیں۔

صدیق اکبرؓ کی نواسی کی یہ تصویر اور امام حسین کی صاحبزادی کی یہ تصویر کسی دیانت دار مؤرخ کے ہاں آپ کو نہ ملے گی۔ کتاب الاغانی جیسی لغو اور بے بنیاد کتابوں کے حوالے سے امت کی ان بیٹیوں کی تاریخ بیان کی جاتی ہے اور پھر کہا جاتا ہے کہ یہ کیا مطمح نظر ہے کہ ایک شوہر تلاش کر لیا اور اسے معبود بنا کر بیٹھ گئیں۔ گھروں سے باہر نکلو اور تعمیر ملت کے وسیع میدانوں میں ترقی کرو ـــــ اور تعمیر ملت کا جزو اکبر کیا ہے؟ ناچنا اور گانا! ـــــ پھر یہ سبق بہوؤں اور بیٹیوں کو سکھایا جا رہا ہے کہ نکاح وغیرہ کی جکڑ بندیاں ہماری اپنی بنائی ہوئی ہیں اور ان میں حسب منشا تبدیلیاں کی جاسکتی ہیں۔ خدا کو اس میں آخر کیا دخل۔ کل ہم نے جو پابندیاں اختیار کی تھیں ان سے ہم آج آزاد ہونا چاہیں تو ہو جائیں۔

اس بے پردگی کی مہم کو پھیلانے کے نت نئے طریقے اختیار کئے جا رہے ہیں۔ ملک میں جا بجا اسی مقصد کے لئے مینا بازار منعقد کئے جاتے ہیں، بلبل چوہدری اور اس کی پارٹی شہر بہ شہر گھومتی ہے اور حکومت اسلام کے احیاء کے نقطۂ نظر سے اس کی سرپرستی فرماتی ہے۔ چنانچہ آج پاکستان میں بلبل چوہدری سے بڑا کوئی چوہدری نہیں۔ بے پردگی ہی کے فروغ کے لئے بعض جفادری مؤرخین کی طرف سے یہ کہلوایا جا رہا ہے کہ طائف اور

مدینہ کی تہذیب میں تو یہ چیز تھی ہی نہیں، یہ تو بعد میں کچھ بداخلاق لوگ پیدا ہوئے جنھوں نے عورتوں کو پیشے کی ذریعہ بنا دیا۔

قومی اور مجلسی تقاریب کا کوئی پروگرام ہو تو اس میں کوئی اور بات ہو یا نہ ہو عورتوں اور مردوں کا مخلوط اجتماع ضروری سمجھا جاتا ہے، اس کے بغیر تقاریب کی خوشی اور رونق پوری ہی نہیں ہوتی۔

آرٹ میں سب سے زیادہ اہمیت اس آرٹ کو دی جا رہی ہے جس کی سرپرست بیگم آذوری ہیں۔ یہ صاحبہ اس فکر میں گھلی جا رہی ہیں کہ "خشک ملاؤں" جو معنوں کی اسلامی تہذیب کا قیمتی ترکہ ہے اسے کس طرح پاکستان میں فروغ دیا جائے، اور آنریبل وزیر ... انھیں آپ کو سرپرستی کا یقین دلاتے ہیں۔ یہ بیگم آذوری جو اسلامی تہذیب و تمدن کے احیاء کی علمبردار ہیں! .... اب ان کے ہاتھوں اگر ترقی ہوگی تو آپ خود اندازہ کرسکتے ہیں کہ کس سمت میں ہوگی اور یہ آپ کو کس سمت میں لے جائیگی۔

اب مجھے سب سے زیادہ جس چیز پر توجہ دلانی ہے وہ آپ کی مذہبی حالت ہے۔ یہ پہلو درحقیقت سب سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے، اس وجہ سے آپ کو پوری باریک بینی سے جائزہ لینا چاہیے کہ مذہبی حیثیت سے آپ کو کس مقام پر لا کر کھڑا کیا گیا ہے۔

آپ کی دستوریہ نے جو قرار دادِ مقاصد پاس کی ہے اس کے مضمرات پنہاں کو آپ میں سے بہت سے لوگ جان چکے ہیں۔ اس قرار داد میں دستوریہ نے اعلان و اقرار کیا ہے کہ ملک کی حاکمیت اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ کے لئے ہے اور حکومتِ پاکستان کی حیثیت اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ وہ خدا کے ملک میں، اسی کی حدود کے اندر اسی کی مرضی کو پورا کرے۔ پھر اس میں یہ اعلان و اقرار بھی کیا گیا ہے کہ حکومت اس ملک کے مسلمان باشندوں کو اس قابل بنائے گی کہ وہ اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگیوں کو اسلام کے اصولوں اور تقاضوں کے مطابق ڈھال سکیں۔

پھر اس بات کا اقرار بھی کیا گیا ہے کہ یہاں جو نظام چلے گا وہ حریت، مساوات اور اجتماعی عدل کے خالص اسلامی اصولوں کے مطابق چلے گا۔

اب آیئے اور جائزہ لیجئے کہ گزشتہ ڈیڑھ سال میں اس پہلو سے کیا کام اب تک ہوا ہے؟ جہاں تک اسلامی آئیڈیالوجی کا تعلق ہے، اسے قرار دادِ مقاصد میں جس طرح بیان کر دیا گیا ہے اس سے زیادہ وضاحت سے بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ لیکن اصل سوال یہ ہے کہ اس آئیڈیالوجی کو عمل میں لانے کے لئے کتاب و

سنت کے اسلام کی طرف کے قدم آپ نے بڑھائے ہیں؟ آپ کے ملک میں جو نظام تعلیم قائم ہے وہ آج بھی ٹھیک ٹھیک میکالے کے نظریات پر قائم ہے۔ میکالے نے یہ نظام تعلیم اس مقصد کے لئے وضع کیا تھا کہ ملک و قوم کے اندر سے انگریزی نظام کے لئے کرائے کے کلرک مہیا کئے جائیں۔ وہ نظام بغیر کسی ادنیٰ تغیر کے بدستور چل رہا ہے، اگر کوئی فرق ہوا ہے تو صرف اس پہلو سے کہ تعلیمی معیار پہلے کے مقابلے میں گر گیا ہے۔ اساتذہ کی قابلیت و محنت کا معیار کم ہوا ہے، طلبار کے شوقِ علم میں کمی آگئی ہے اور امتحانات میں پاس ہونے والوں کا تناسب گھٹ گیا ہے۔ لیکن مقاصد کے لحاظ سے یہ نظام تعلیم ابھی پرانے مقاصد کے تحت چل رہا ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ خدائی حاکمیت پر دستور یہ کے ایمان لانے کے بعد اس ملک میں میکالے کے نظام تعلیم کے شیطانی ڈھانچے کی پرستش کرتے چلے جانا کیا معنی رکھتا ہے۔ آپ تعلیمی نتائج پر غور کریں، صلاحیت اور EFFICIENCEY کے معیار پہ غور کریں اور مجھے یہ بھی بتائیں کہ اس نظام تعلیم میں وہ قرآن کہاں ہے جو آپ کی ساری تعلیم کی اساس ہونا چاہئے؟ وہ سنتِ رسول کہاں ہے جو آپ کی ساری زندگی کے لئے نمونہ ہے؟ اسلام کے وہ انفرادی اور اجتماعی ضابطے کہاں ہیں جن پر نظام زندگی قائم ہوتا ہے؟ پھر ذرا آپ چراغ لے کر وہ مقدس چہرے تو ڈھونڈ کر دکھا دیجئے جو طلبار کو دین کے اسرار سے آگاہ کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں! کیا کوئی ایک ادارہ ایسا ہے جس میں اسلامی نظام زندگی کی تعلیم و تربیت دینے کا انتظام کیا گیا ہو؟

جس ملک میں اسلامی نظام نافذ ہونے والا ہے اس میں یہ ذہنوں کی پستی، طبائع کے افلاس اور ہمت کی کمزوری کا روشن ثبوت ہے کہ آج بھی ہمارے ائمۂ مساجد دعوت دیتے ہیں کہ آؤ تعلیم دین خطرے میں ہے، ہمارے مدرسے کی مدد کرو، اور پھر بڑے فخر سے کہا جاتا ہے کہ ہمیں اتنا چندہ ملا۔ کیا اسی ملک میں قرآن کا نظام قائم ہوگا جس میں آج تک ہمارے ناظمین مدرس دینیات کو اس سے نجات نہ مل سکی کہ وہ در بدر پھر کر تعلیم دین کے لئے چندہ جمع کریں؟

جیل میں جب ہم نے یہ خبر پڑھی کہ سرکاری ابتدائی مدرسوں میں قرآن کی تعلیم کا انتظام کیا جا رہا ہے تو وہ رات ہمارے لئے بڑی ہی مبارک رات تھی، لیکن اس کی تفصیل جب سامنے آئی تو معلوم ہوا کہ حکومت نے اللہ میاں کے دین پر بڑا احسان دھرتے ہوئے اس بات کا انتظام کر دیا ہے کہ روزانہ ۵ منٹ طلبا کو قرآن

پڑھایا جائے۔ شاید اس خبر پر آسمانوں کے فرشتوں نے خوشیاں منائی ہوں گی کہ اللہ میاں کے بندوں نے بڑا کرم کیا۔

بس یہ ہے ہمارے لیڈر حضرات کا اسلامی نظام تعلیم!

کیا فی الواقع اس کی ضرورت نہیں کہ موجودہ نظام تعلیم کو توڑ پھوڑ دیا جائے اور جلد از جلد وہ علماء اور ماہرینِ فنون پیدا کرنے کا انتظام کیا جائے جن کی ضرورت اسلامی نظامِ زندگی کے ہر شعبے کو ہوگی؟ اس مقصد کے لئے جس تعلیم کی ضرورت ہے اس کے لئے کم سے کم یہ تو طے کیا جاتا کہ اس کا فلسفہ نظام کیا ہونا چاہیئے؟ اس میں آخر دیر کیوں؟ وہ کونسا زمانہ آئے گا کہ مطلوبہ دل و دماغ کے کارکن پیدا ہونے شروع ہوں۔ میرا تو خیال ہے کہ یہی حال رہا تو وہ دن کبھی نہیں آئے گا۔ اب یہ آپ کا فرض ہے کہ اپنے ملک کی تعلیمی جدوجہد پر باقاعدہ غور کریں۔

دوسری طرف میں چاہتا ہوں کہ آپ کی توجہ قیادت کے عملی پہلو کی طرف مبذول کراؤں، کیونکہ یہ عملی پہلو بھی تعلیم و تربیت میں گہرا دخل رکھتا ہے۔ ایک عام بیماری جس میں ہمارے کارپردازوں میں سے ایک ایک نے اپنے آپ کو پوری طرح مبتلا کر لیا ہے وہ یہ ہے کہ جب ان میں سے کوئی تقریر کرنے کھڑا ہوتا ہے تو وہ یہ زعم رکھتا ہے کہ اسلام نے زندگی کا جو نمونہ اور جو معاشرتی نقشہ تجویز کیا ہے اُس پر ہم تو قائم ہیں، اور سو فی صدی قائم ہیں لیکن قوم ہے کہ نالائقی کا ثبوت دے رہی ہے۔ یہ ایک عجیب ماجرا ہے کہ یہ لوگ نہ مسجدوں میں حاضری دیں نہ حج کریں، نہ زکوٰۃ ادا کریں، نہ اسلام کے اخلاقی و معاشرتی احکام و حدود کے پابند ہوں، بلکہ الٹا دھڑلے سے منہیات کی سرپرستی کریں، اور پھر یہ زعم کہ ہماری زندگیاں اسلام کا کامل نمونہ ہیں، اور اس کے بعد عوام کے سامنے یہ وعظ کہ مسلمانو! دیکھتے نہیں کہ اسلامی نظام قائم ہو رہا ہے، اٹھو اور جلد از جلد اپنی زندگیاں بدل ڈالو۔ یاد رکھئے کہ لیڈروں کے بدلے بغیر قوم کا بدلنا ممکن نہیں ہے۔ جب تک ہمارے کارپرداز عملاً مسلمان نہیں بنتے، ان کے خوشنما وعظوں سے قوم اسلام پر عمل پیرا نہیں ہوسکتی۔ یہ ہمارے گورنر، ڈپٹی کمشنر، وزراء اور دوسرے حکام جب تک خود سب سے پہلے مسجدوں میں پنج وقتہ حاضری نہ دیں، اپنی پیشانیاں خدا کے حضور نہ رگڑیں، اور اپنی موجودہ فاسقانہ زندگی سے باز نہ آئیں تو ان کا یہ سمجھنا کہ قوم پاکباز بن جائے گی، ایک ایسی غلط فہمی ہے جس سے بڑی کوئی غلط فہمی نہیں ہوسکتی۔ لیکن آپ حضرات بتائیے کہ کیا ہمارے کارپردازوں میں اس طرح کی کوئی عملی تبدیلی رونما ہوئی ہے یا انھوں نے حکومت کے ذرائع و وسائل کو فسق و فجور کے فروغ میں استعمال کرنا ختم کر دیا ہے؟ ——— ہرگز نہیں!

آپ کا ریڈیو صبح سے شام تک برابر غلاظت بکھیرتا رہتا ہے۔ انگریز نے بھی اس بے باکی سے ذہنی اور اخلاقی غلاظت نشر نہ کی تھی جس بیباکی سے کہ آج کی جارہی ہے۔ آپ کے سینما گھر پہلے سے بڑھ چڑھ کر ہوسناکیوں اور شہوتوں کی تعلیم دینے میں مصروف ہیں۔ آپ کی گھریلو اور مجلسی زندگیاں ویسی ہی رندانہ ہیں جیسی صاحب بہادروں کی ہوا کرتی تھیں۔ پھر آپ کو آخر کیا حق پہنچتا ہے کہ آپ قوم کے سامنے یہ وعظ کہیں کہ تقویٰ اختیار کرو اور مقدس بن جاؤ۔ آپ تو وہی رہیں جو کچھ ہیں، لیکن قوم فرشتوں کی قوم بن جائے۔

ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ تعلیم یہ تھا کہ عوام کو آپ جس مسلک کی ہدایت کرتے تھے اُس پر سب سے بڑھ چڑھ کر خود عامل ہوتے تھے۔ آنحضورؐ نے امت کو بھی یہی طریقہ سکھایا ہے کہ جو کچھ زبانوں سے کہو، اُسے کر کے بھی دکھاؤ۔ اسلام میں اصول یہ ہے کہ کبر مقتاً عند اللہ ان تقولوا ما لاتفعلون۔ چنانچہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے عمال کے نام یہ فرمان لکھوایا تھا کہ جس طریقے پر وہ عوام کو چلانا چاہتے ہیں اس کا نمونہ پہلے خود بنیں۔ اگر وہ چاہتے ہیں کہ لوگ پابند نماز ہوں تو ان کا فرض یہ ہے کہ وہ خود امام نماز بنیں، اگر وہ چاہتے ہیں کہ لوگ دیانت دار ہوں تو خود دیانت دار بنیں، اگر وہ چاہتے ہیں کہ لوگ متقی بنیں تو پہلے وہ خود متقی بنیں۔ یاد رکھو کہ اگر تم خود گمراہ ہوگئے تو قوم کبھی ہدایت نہ پاسکے گی اور قیامت کے دن تم کو اس کی گمراہی کے بارے میں جواب دہی کرنی ہوگی۔

یہاں یہ حال ہے کہ ہمیں وعظ پلایا جارہا ہے کہ پہلے لائق بنو، پھر تم کو اسلامی نظام قائم کر کے دیا جائے گا۔ خود تو اسلامی ثقافت کی تجدید کے لیے بلبل چوہدری کے ناچ گانوں کی سرپرستی فرماتے رہیں گے، لیکن قوم کو یہ دعوت دیں گے کہ تم لوگ عمر فاروقؓ کی زندگیوں کا نمونہ پیدا کر کے دکھاؤ۔

حضرات یہ ہیں وہ حالات جن میں ہم گھرے ہیں اور یہ ہے وہ مقام جس پر لا کر ہمیں کھڑا کر دیا گیا ہے! اب اس تاریخی دوراہے پر آنے کے بعد آپ کو فیصلہ کرنا ہے کہ آیا آپ کو اپنے موجودہ لیڈروں کے پیچھے پیچھے فسق و فجور کی راہ پر جانا ہے، یا آپ کی منزلِ مقصود اسلام ہے؟

اب میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اور ہماری قوم کو نفاق کی بیماری سے بچائے اور پوری یکسوئی کے ساتھ اسلام پر چلنے کی توفیق دے۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین ٥